سوفسطائیوں سے دو دو باتیں

رئیس العلماء آیۃ اللہ سید کاظم نقوی صاحب قبلہ مدظلہ، علی گڑھ

(قسط اول)

مذہبی عقائد اور مسائل کے بارے میں تحقیق اور گفتگو کرنے سے پہلے اس ایک سوال کا جواب مل جانا چاہیے۔ کہ آیا ہمارے ذھنوں کے باہر کسی چیز کا وجود ہے یا نہیں ؟ اس میں شک نہیں ہے کہ انسان کا ذہن بھی کام کرتا ہے۔ اس کے پاس بڑی صلاحیت ہے وہ ایسی تصویروں کے ایجاد کرنے پر بھر پور قدرت رکھتا ہے جو اس کی قلم رو سے باہر کہیں موجود نہ ہوں۔ یہ کیا دشوار بات ہے کہ میں ابھی ابھی ایسی عمارت کا تصور کیے لیتا ہوں جس کی نیو عام، معمولی پتھروں سے بھری گئی ہو۔ اس کی دیواریں سفید سنگ مرمر کی بنائی گئی ہوں جن پر پھول بوٹے، بیلیں اور زنجیرے سیاہ پتھر سے تیار کیے گئے ہوں۔ اس کے اوپر جابجا انتہائی خوبصورت اور سڈول کمر یاں یا قوت کی نظر آرہی ہوں۔ پوری عمارت کے بیچوں بیچ میں ایک عظیم الشان، پر شکوہ زمرد کا گنبد ہو، جس کے ستون دمکتے ہوئے ہیرے کے ہوں۔ اس عمارت کا پھاٹک اور اس کے کل بڑے دروازے سرخ عقیق کے اور تمام کھڑکیاں عقیق زرد کی بنائی گئی ہوں۔

واضح بات ہے کہ ان خصوصیات کی عمارت بس میرے ذہن کی چار دیواری میں ہے۔ اسی کے ہاتھوں نے اسے بنایا ہے۔ اس سے باہر اس عمارت کا کہیں وجود نہیں ہے۔ اس کا کوئی عقلمند آدمی شاید انکار نہ کرے کہ انسانی ذہن میں بھانت بھانت کے فوٹو تیار کرنے کی صلاحیت ہے۔ بحث اس میں ہے کہ ہمارے ذہن کے حدود کے باہر مختلف قسم کی چیزیں موجود ہیں یا نہیں؟ کیا کسی شاعر نے یہ شعر بالکل صحیح کہا ہے اور اس کا مضمون حقیقت کے مطابق ہے؟

کل مافی الکون وہم اور خیال اوعکوس فی المرایا اور ظلال۔

''اس عالم وجود میں جو کچھ ہے وہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ وہ سب وہم یا خیال ہے، وہ سایا یا آئینوں کے دل میں نظر آنے والا عکس ہے۔''

سر جیمس جینس (Sir James Jeans) کا قول ہے۔

''اس کائنات کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے۔ ہمارے ذھنوں میں صرف ایک صورت ہے، کیونکہ ہم اس کے مفہوم کے ذریعہ اس کی مادی شکل وصورت کو اپنے دماغوں تک نہیں پہونچا سکتے۔ کائنات سے روشناس ہونے کا صرف ایک راستہ ہے۔ وہ اس کا مفہوم ہے۔ مفہوم مادی نہیں، غیر مادی تصویر کا نام ہے''۔ (حوار بین الالٰھیین والمادیین)

جارج برکلے (George Berkeley) کا نظریہ بھی مادی چیزوں کا وجود مشکوک ہونے کے متعلق مشہور ہے وہ کہتے ہیں۔

''ہمارے ذہنوں میں یہ جو بات راسخ ہے کہ ہمارے دماغ کی چہار دیواری کے باہر ایک دنیائے وجود ہے کوئی چیز نہیں ہے۔ میں جو ادراک کرتا ہوں اس کے علاوہ کسی وجود کا قائل نہیں ہوں''۔ (سیرت حکمت درار وپا)

ایک دوسری جگہ انہی کا قول ہے۔

''تم کہتے ہو کہ چیزیں موجود ہیں، کیونکہ وہ رنگ، خوشبو یا بدبو اور مزے کی مالک ہیں۔ بڑی یا چھوٹی، بھاری یا ہلکی ہیں۔ میں اس کے برخلاف کہتا ہوں۔ یہ صفتیں اور خاصیتیں کسی چیز

میں نہیں پائی جاتیں، ان کا وجود بس ہمارے دماغوں کے اندر ہے''۔ (فیلسوف نماہا)

برکلے کا کہنا ہے یہ جو کہا جاتا ہے کہ ''فلاں چیز موجود ہے'' ہمیں اس جملے کے معنی سمجھنا چاہییں۔ اگر باریک بینی سے کام لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہو جائیں گے کہ ''میں اس کو موجود سمجھتا ہوں'' مثلاً اگر ہم کہیں کہ زمین ہے، آسمان ہے، پہاڑ ہے، سمندر ہے، یا اگر یہ کہیں کہ سورج نورانی ہے، زمین گھومتی ہے۔ تو بالکل صحیح ہے، لیکن اگر ان جملوں کے معانی کی حقیقت کو چیر کر دیکھیں تو وہ یہ قرار پائے گی کہ ''ہم ایسا سمجھتے ہیں'' ''ہمیں ایسا پتہ چلا ہے'' لہٰذا کسی چیز کے وجود کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی شخص کے دماغ میں موجود ہے''۔ (روش ریالیسم ج ۱)

تاریخ فلسفہ کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ سوفسطائیت کا نظریہ یورپ کے ان مفکرین سے مخصوص نہیں ہے جن کا تعلق ماضی قریب سے ہے، بلکہ قدیم یونان کے بعض فلاسفہ کا بھی یہ خیال تھا کہ حقیقت انسان کے اندر محدود ہے۔ اس کے دماغ میں جو کچھ موجود ہے اور وہ جو کچھ سوچتا ہے اس کے علاوہ ہر گز کسی چیز کا وجود نہیں ہے، یا کم از کم وہ مشکوک ہے۔ کسی چیز کو ذہن کی چار دیواری سے باہر سمجھنا انسان کے خیال کی کارستانی ہے، ورنہ کسی شے کے لئے وجود ذہنی کے سوا کوئی دوسرا وجود یقینی نہیں ہے۔

اس گروہ کے فلسفیانہ نظریات کو ایک جملے میں سمیٹ دیا گیا ہے۔ اسے قدیم یونان کے ایک مفکر پائیتھا گورس (Phtha Gores) کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

''تمام چیزوں کی ترازو انسان ہے!'' (روش ریالیسم ج ۱)

سوفسطائیوں کے نظریے کی رو سے یہ دنیا اوہام و خیالات کی دنیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ نظریہ مختلف وجہوں سے صحیح نہیں ہے۔

(۱) بداہت سے ٹکراؤ

انسان کبھی کسی بات کی تصدیق یا تکذیب بغیر غور و خوض کرنے کی زحمت برداشت کیے کر دیتا ہے۔ جس سے بھی پوچھئے کہ بتاؤ کہ سورج میں چمک ہے یا نہیں؟ وہ فوراً بلا کسی جھجک کے جواب دے گا کہ آفتاب یقیناً چمکدار ہے۔ اگر بچہ کے سامنے بھی کہا جائے کہ چاند کا جسم چوکور ہے تو فوراً وہ اس کی تکذیب کرے گا کہ نہیں چاند چوکور نہیں، گول ہے۔ اس طرح کی تصدیق اور تکذیب کا نام ''بدیہی'' ہے۔

اس کے برخلاف بعض باتیں ایسی ہیں کہ جنہیں بلا غور کیے ہوئے نہ سچا کہا جا سکتا ہے اور نہ جھوٹا۔ ان کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے سوچنے کی ضرورت ہے، مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ کرۂ مریخ میں انسانی آبادی ہے تو جب تک وہ قابل اطمینان دلیل قائم کرے اس کی بات کو باور کرنا مشکل ہے۔ اس امر کی تصدیق یا تکذیب غور طلب ہے اور تشریح چاہتی ہے۔ یہی صورت اس دعوے کی ہے کہ زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے۔ اس قسم کی باتوں کی تصدیق یا تکذیب کو ''نظری'' کہتے ہیں۔

''بدیہی'' باتوں کے خلاف اگر کوئی شخص دعویٰ کرے تو وہ ہرگز تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اس کا ''بدیہات'' کے خلاف ہونا خود اس کے غلط ہونے کی دلیل ہے۔ انسان بغیر غور کیے، صرف معمولی توجہ دہانی سے یہ جانتا اور مانتا ہے کہ وجود کی دو قسمیں ہیں، ایک ''وجود خارجی'' اور دوسرے ''وجود ذہنی'' وجود ذہنی کا دار و مدار تصور یعنی کسی چیز کا فوٹو دماغ میں آئے کے اوپر ہے، لیکن ''وجود خارجی'' تصور کے اوپر موقوف نہیں ہے۔

وجود ذہنی کو یوں سمجھا جائے کہ فرض کیجئے کہ آپ کے سامنے کیل پر چھتری ٹنگی ہوئی ہے۔ آپ اسے خوب غور سے دیکھ کر اس کے تمام خصوصیات کو ملحوظ رکھ کے، اس کی طرف متوجہ رہتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر لیجئے، آپ ایسا محسوس کریں گے کہ جیسے آپ کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور آپ اسے دیکھ رہے ہیں۔ اسی طرح دیوار پر لگی ہوئی گھڑی چل رہی ہے اور اس کے چلنے کی آواز آپ کے کانوں میں آ رہی ہے، آپ اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیجیے لیکن اگر آپ کی توجہ اس کی آواز کی طرف ہے تو آپ محسوس کریں گے کہ گھڑی کے چلنے کی آواز اب بھی مثل

سابق آپ کے کان سن رہے ہیں ۔ یہ اس چھتری اور گھڑی کی آواز کا وجود ذھنی ہے ۔ وجود ذھنی یعنی کسی چیز کا فوٹو اسی طرح چھپ جانا جس طرح آئینہ میں اس کے سامنے کی چیزوں کی تصویریں چھپ جاتی ہیں۔

وجود ذہنی کے مقابلہ میں وجود خارجی جو کسی چیز کے تصور پر موقوف نہیں ہے۔ اسے خارجی اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ ذہن کی چار دیواری سے خارج ہے۔ ہماری پیاس اس پانی سے بجھتی ہے جو ذہن کے حدود سے باہر موجود ہے۔ پانی کا وجود ذہنی ہر گز تشنگی دور نہیں کر سکتا۔ وہ آگ ہمارے لیے کھانا پکاتی ہے جو بیرونی دنیا میں موجود ہے اس کا تصور نہ سالن پکا سکتا ہے اور نہ روٹی میں چتی ڈال سکتا ہے۔ ہمیں گرمی، سردی، دھوپ، لُو سے اور ہمارے قیمتی سامان کو چور ڈاکو سے، وہ گھر بچا تا ہے جو ہمارے دماغ کے باہر موجود ہے۔ وہ گھر ہرگز ہمیں فائدہ نہیں پہونچا سکتا جس کا نقشہ ہمارے صفحۂ ذہن پر چھپا ہوا ہے۔

جب کہ بدیہی طور پر وجود کی دو قسمیں ہیں، وجود ذہنی اور وجود خارجی تو اس بات کا انکار یا اس کے بارے میں شک وشبہ اعتناء کے قابل نہیں ہے۔ سوفسطائی مفکرین معاف کریں، شاید کوئی سلیم الفہم شخص ان کی بات ماننے کے لیے تیار نہ ہو یہی وجہ ہے کہ بہت سے غلط نظریات نے اپنے طرفدار پیدا کر لیے، انھوں نے بعض ارباب علم کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، لیکن سوفسطائیت ہمیشہ گمنامی اور کس مپرسی کے کونے میں پڑی رہی۔ یہ جو بعض مغربی مفکرین سوفسطائیت کی طرف کچھ مائل نظر آتے ہیں اس کا محرک علم اور تحقیق نہیں ہے، سیاسی مصالح نے ان میں سوفسطائیت کی جانب میلان پیدا کر دیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کی طرف مائل نہیں ہیں، مصلحتاً اپنے میلان کا اظہار کرتے ہیں، وہ اس بناوٹی اظہار سے اپنے مقاصد کے پورا کرنے میں فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

(۲) عمل در آمد کیوں نہیں؟

کسی نظریے کی حقانیت کی ایک مضبوط دلیل اس کا عملی زندگی پر انطباق ہے۔ سوفسطائی مفکرین کو بے شک اختیار ہے، وہ نظریاتی طور پر جس بات کے چاہیں قائل ہوں، لیکن اپنی عملی زندگی میں وہ اپنے نقطۂ نظر پر کار بند دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ اگر انہیں اپنے نظریے کے صحیح ہونے پر پورا پورا بھروسہ ہوتا تو ان کی زندگی پرہیز گارانہ اور محتاط نظر آتی۔ سب سے پہلے تو انہیں بھوک اور پیاس ہی کے متعلق شش و پنج میں رہنا چاہیے۔ چاہے کہ اس کی کوئی حقیقت ہے بھی یا نہیں؟ ہم انہیں اور اسی طرح خوشی، رنج، پشیمانی، گھمنڈ، حسد وغیرہ کو وجدانی کیفیات جانتے اور مانتے ہیں، لیکن سوفسطائی تو اس کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک یہ تمام کیفیات ذہنی اُپج ہیں۔ اس سے زیادہ ان میں کوئی واقعیت نہیں ہے۔ جبکہ ایسا ہے تو پیاس لگنے کے بعد کیوں وہ بلا پس و پیش دوسروں کی طرح پانی پی لیتے ہیں؟ جب انھیں بھوک لگتی ہے تو ہمیں ان کے اور دوسرے آدمیوں کے درمیان عملی زندگی میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا ہے جس طرح شدید بھوک ہمیں نڈھال کر دیتی ہے، اسی طرح ایک سوفسطائی کو بھی۔ جس طرح ہم بھوک کو اپنا پیٹ بھر کر دور کرتے ہیں اسی طرح ایک سوفسطائی مفکر بھی۔

سوفسطائی حضرات بیمار ہونے کے بعد کیوں اپنے بھروسہ کے ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں؟ ان کے نزدیک جب ڈاکٹر کی شخصیت مشکوک ہے تو کس لیے فطری طور پر وہ ڈاکٹروں کو ادلتے بدلتے نہیں رہتے؟ ڈاکٹر جو نسخہ لکھتا ہے جب اس کا وجود ہی ان کی نظر میں مشکوک ہے تو وہ کیوں اسے بندھواتے، دوا خانے جاتے اور بلا کسی عاقلانہ محرک کے پیسے خرچ کر کے دوائیں خریدتے ہیں؟ جن دواؤں کا وجود اور ان میں کوئی خاصیت پائی جانا مشتبہ ہے کیوں اور کس لیے انھیں کھا کر اپنا منہ بدمزہ کرتے ہیں؟

جب کوئی ہمارا دوست یا رشتہ دار مر جاتا ہے تو جس طرح ہم بیتاب ہو جاتے، اس کا جنازہ اٹھاتے، اسے نہلاتے، کفن پہناتے، دفن کرتے، اس کے پسماندگان کو دلاسا دیتے، اس کے سوم، چالیسویں، دیسے کی مجلسیں کرتے، اس کی یادگاریں قائم

کرتے ہیں اسی طرح بعینہ یہی تمام کام بلا کسی آورد اور بناوٹ کے سوفسطائیت کے قائل مفکرین بھی کرتے ہیں۔ کیوں اور کس لیے ان کا رویہ ہمارے رویے سے مختلف نہیں ہے؟

سوفسطائی بھی انہیں موسموں کے قائل ہیں جنھیں ہم ایک ثابت واقعیت سمجھتے ہیں۔ جاڑے کو جاڑا، گرمی کو گرمی، برسات کو برسات مانتے ہیں ہمارے اور ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کبھی کسی سوفسطائی نے سردیوں میں اونی کپڑوں کے وجود کو مشکوک سمجھتے ہوئے ان کے بجائے ٹھنڈے باریک سوتی کپڑے نہیں پہنے۔ یونہی تڑاتے کی گرمی میں کوئی سوفسطائی بھاری بھرکم چسٹر زیب تن کیے کہیں نظر نہیں آیا۔

(۳) دوبارہ تصادم

سوفسطائیوں کے نظریہ اور بداہت کے فیصلے کے درمیان ایک دوسرے مقام پر بھی سخت تصادم ہوتا ہے۔ بیدار مغز اور ہوشیار آدمی بغیر غور و خوض، بلا سوچ بچار کے جانتا ہے کہ بیرونی دنیا میں دو چیزیں موجود ہیں۔ ہر عقل مند آدمی سمجھتا ہے کہ کپڑا اور اس کا رنگ ایک چیز نہیں ہے، دو چیزیں موجود ہیں، ایک اون یا سوت کا آنا بانا اور اس کی مخصوص ساخت، دوسرے کالا رنگ، پانچ کتابوں کے ضمن میں بھی دو چیزیں موجود ہیں، ایک خود کتابیں اور دوسرے پانچ کا عدد۔ ڈلیا میں جو پھل رکھے ہیں وہ بظاہر ایک چیز، لیکن حقیقتاً دو چیزیں ہیں، ایک پھلوں کی جسمیت اور ان کی ساخت، دوسرے ان کی کھٹاس یا مٹھاس یا کڑواہٹ۔

پانی سے بھری کیتلی اسٹوپ پر رکھی ہے۔ اسٹوپ کی نیلی نیلی آنچ پتیلی کے پیندے میں لگ کر آہستہ آہستہ ٹھنڈے پانی میں گرمی پیدا کر رہی ہے۔ وہ پہلے گنگنا ہوتا اور پھر پھد پھد پکنے لگتا ہے۔ اس وقت بظاہر اسٹوپ کے نیلے شعلے ایک شے ہیں، لیکن حقیقتاً دو چیزیں ہیں۔ ایک خود آنچ ہے اور دوسرا اس کا فعل ہے۔ جو اس میں پایا جاتا ہے، یہ فعل کیا ہے؟ پانی یا کسی دوسری چیز کا آہستہ آہستہ گرم کرنا۔

اس وضاحت سے پتہ چلا کہ ہر باریک بیں اور ذہین شخص یہ جانتا ہے کہ ہمارے دماغوں کی چار دیواری کے باہر جو چیزیں موجود ہیں، جن کی ہستی کا دارو مدار ہمارے تصور یعنی ان کی صورت ہمارے صفحۂ ذہن میں چھپ جانے کے اوپر نہیں ہے، چاہے آئینہ کے مانند ہمارا دماغ ان کی تصویر لے اور چاہے نہ لے، وہ بہر حال وجود کی دولت سے مالا مال ہیں دو قسم کی ہیں۔

(۱)

ہر وہ چیز جو وجود کی مالک بننے کے سلسلے میں اس کی محتاج نہ ہو کہ کسی دوسری شے میں حلول کر کے پائی جائے۔ اس شے کو جو دوسری چیز کا محل قرار پائے، اصطلاحی طور پر ''موضوع'' کہا جاتا ہے۔ اب الفاظ بدل کر یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہر وہ ماہیت کہ جو وجود کے مرحلہ میں ''موضوع'' سے بے نیاز ہو اس کو ''جوہر'' کہا جاتا ہے، جیسے عقل، نفس، مادہ جسم وغیرہ۔

(۲)

پہلی قسم کے مقابلے میں موجود کی دوسری قسم وہ ہے جو صفت وجود سے متصف ہونے کے لیے اس بات کی محتاج ہو کہ دوسری شے میں حلول کر کے پائی جائے اسے بھی دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہر وہ ماہیت کہ جو مرحلۂ وجود میں ''موضوع'' سے مستغنی نہ ہو اس کا نام ''عرض'' ہے۔

نتیجہ کلام

یہ تمہید اس لئے قائم کی گئی ہے کہ سوفسطائی مفکرین کا نظریہ ہمارے اس مشاہدے کے خلاف ہے کہ ہمارے ذہنوں کے باہر جو چیزیں موجود ہیں ان کی دو قسمیں ہیں جوہر اور عرض۔ یہ اس نظریہ کی بداہت سے دوسری ٹکر ہے۔ ظاہر کہ جو بات لوگوں کے بدیہی فیصلوں سے ٹکرائے وہ ہرگز ماننے کے قابل نہیں ہے۔

بے شک یہاں یہ سوال ضرور ابھرتا اور سر اٹھاتا ہے کہ سوفسطائیت کا تقاضہ یہ کیسے ہے کہ موجودات کی دو قسمیں نہ رہیں جوہر اور عرض، بلکہ وہ صرف عرض میں منحصر اور محدود ہو جائیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سوفسطائی کہتے ہیں کہ ہمارے دماغوں کے حدود سے باہر کوئی چیز موجود نہیں ہے یا کم از کم اس کا

وجود مشکوک ہے، جو کچھ ہے وہ ہمارے ذہن میں ہے۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ جو چیز ذہن میں پائی جائے ذہن اس کا محل ہوگا۔ وہ صفت وجود سے متصف ہی نہیں ہوسکتی۔ جب تک صفحۂ ذہن پر نہ چھپے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی چیز بھی ذہن میں جوہر نہیں ہے، ذہن کے اندر جو کچھ ہے وہ بس عوض ہی عوض ہے۔

حکماء اور فلاسفہ بلکہ ان سے بڑھ کر عقلاء عالم کہ جو بیرونی دنیا کے موجودات کی دو قسموں کے قائل ہیں جوہر اور عرض یہ بھی مانتے ہیں کہ ذہن میں پہونچ کر ہر جوہر عرض بن جاتا ہے، کیونکہ کسی چیز کے جوہر ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حدود ذہن سے باہر مستقل طور پر وجود کا مالک ہو۔ کسی شے میں حلول کر کے اس کے سہارے صفت وجود سے متصف نہ ہو۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ اس کی بے نیازی ذہن میں پہنچ کر بھی باقی رہے، ذہن کی چار دیواری میں قدم رکھنے کے بعد ہر چیز ذہن کی نیاز مند ہوجاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جوہر اور عرض کے درمیان فرق کی روح یہ ہے کہ پہلا بیرونی دنیا میں مستقل طور سے موجود ہوتا اور دوسرا اسی بیرونی دنیا میں دوسرے کے سہارے، اس کا طفیلی بن کر صفت وجود سے متصف ہوتا ہے، لیکن اگر دنیائے ذہن کے علاوہ بیرونی دنیا ہی نہ ہو تو جو چیز بھی کتم عدم سے عالم وجود میں قدم رکھے گی اس کا محل یہی ہمارا ذہن ہوگا، لہٰذا موجودات عرض میں منحصر ہوجائیں گے جب کہ بدیہی طور پر ہمارے باریک بینی کے ساتھ مشاہدے کا فیصلہ ہے کہ ان کی دو قسمیں ہیں، جوہر اور عرض۔

(۴) نہ پانا نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے

مسٹر جیمس جینس کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات عالم کے انکشاف کا کوئی مادی ذریعہ نہیں ہے، اس کا راستہ صرف اس کا مفہوم ہے، ظاہر ہے کہ مفہوم اس کی مادی شکل وصورت کو کسی کے دماغ میں نہیں لاسکتا۔

ان کی خدمت میں ہماری مؤدبانہ عرض ہے کہ کسی چیز کے منکشف ہونے کے لیے ذریعے کی عدم موجودگی سے یہ کیسے سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ چیز معدوم ہے، اگر کوئی شے ڈھونڈنے کے بعد بازار میں نہ ملے تو اسے نایاب کہا جاسکتا ہے، لیکن کسی شخص کو یہ دعوی کرنے کا حق نہیں ہے کہ وہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ مشہور ومعروف مسلم الثبوت مقولہ ہے، **عدم الوجدان لا یدل علی عدم الوجود** ''کسی شے کا دستیاب نہ ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے'' اگر کسی چیز کے مفہوم کو اس کی مادی شکل وصورت کا آئینہ نہ مانا جائے گا۔ اس کا نتیجہ بس یہ ہے کہ بیرونی دنیا میں ان کے انکشاف کا بدقسمتی سے انسان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے، اس کا نتیجہ یہ کیسے ہوگیا کہ سرے سے ہمارے دماغ کی چار دیواری کے باہر کوئی چیز نہیں ہے؟

(۵) معدومات کے درمیان کوئی جدائی نہیں ہوتی ہے

برکلے نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ ''میں جو ادراک کرتا ہوں، اس کے علاوہ کسی وجود کا قائل نہیں ہوں'' ان کے نزدیک اشیاء کے وجود ذہنی کے سوا ان کے واسطے کوئی دوسرا وجود نہیں ہے، یعنی اپنے دماغوں کے باہر ہم اپنی سادگی اور جہالت کی بنا پر جن چیزوں کو موجود سمجھتے ہیں حقیقتاً معدوم ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اگر ان چیزوں کو معدوم قرار دے دیا جائے جیسا کہ سوفسطائی مفکرین سمجھتے ہیں تو پھر ان کے درمیان کسی طرح کے امتیازات نہ ہونا چاہییں جب کہ وہ بھی ان کا انکار نہیں کرسکتے، کم از کم انہیں اپنی شخصیت کو دوسرے اشخاص سے علیحدہ اور جدا ماننا پڑے گا، جب کہ وہ بھی معدوم اور دوسرے اشخاص بھی معدوم تو ان کے اور دوسرے اشخاص کے درمیان یہ امتیاز کیسے پیدا ہوگیا؟

(۶) ہمارے حواس خطا کار کیسے؟

سوفسطائی مفکرین کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ ہمارے حواس ہمیں دھوکے دیتے ہیں، عقل وفکر کی طاقت بھی مغالطہ انگیزی سے نہیں چوکتی ہے۔ چلتے ہوئے پنکھے کو ایک سینی کی صورت میں، شعلہ جوالہ کو آگ کے چمکدار دائرے کی شکل میں ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں۔ بخار کی حالت میں اچھی خاصی مزیدار چیزیں کڑوی محسوس ہوتی ہیں۔ عقل بھی گمراہ کرنے میں حواس سے پیچھے نہیں

ہے ورنہ عقلا اور فلاسفہ کے درمیان شدید نظریاتی اختلافات نہ ہوتے۔ ظاہر ہے کہ متضاد نظریات سب کے سب صحیح نہیں ہوسکتے۔ ممکن ہے کہ وہ تمام غلط ہوں اور بالکل صحیح ان سب کے علاوہ کوئی دوسری بات ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت ہم دوسرے مقامات کے متعلق سوفسطائی حضرات سے گفتگو نہیں کرتے۔ ہم صرف ان مقامات کی بابت سوال کرتے ہیں جہاں انہیں اور تمام صاحبان عقل کو پتہ چل گیا ہے کہ یہاں حواس نے غلطی کی ہے۔ ان چند جگہوں پر حواس کے خطا کار اور مغالطہ انگیز ہونے کا مطلب کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں جھجکتے نہیں، رکیے نہیں، کیوں نہیں کہتے کہ ان سے لغزش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کچھ بتاتے ہیں اور حقیقت کچھ ہے۔ وہ جس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ واقعیت اور حقیقت کے علاوہ اور اس کے خلاف ہے۔

انصاف کیجیے کہ ان مقامات پر اگر آپ کے نزدیک حقیقت اور واقعیت علیحدہ مستقل طور پر اپنی جگہ نہیں ہے تو آپ کیسے حواس خطا کار ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں؟ خود ان جگہوں پر حواس کی بتائی ہوئی باتوں سے الگ کچھ حقیقتیں ہمارے ذہنوں سے باہر موجود ہیں اور ان کی موجودگی کا آپ کو یقین بھی ہے۔ حواس کی بتائی ہوئی باتوں کو ان کے مطابق نہ پاکر آپ نے ان کے خطا کار، مغالطہ انگیز اور گمراہ کن ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔

(جاری)

بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔**برق طور یعنی نقد تجلیات**

واقعہ ذکر کرنے سے یک قلم احتراز کیا ہے جو معاذ اللہ ان کی منقصت کا سبب ہو سکے اور نہ تجلیات کے ایسے مقامات پر نکتہ چینی مناسب خیال کی جن کو خاندانِ اجتہاد سے کوئی تعلق نہ تھا مگر جو بہت زائد قلم اٹھانے کے قابل ہے، حماسہ کے ان اشعار کو اپنا طرز عمل قرار دیا ہے جس میں وہ کہتا ہے ؎

سفحان بنی ذهل وعتنا القوم اخوانی عسی الایام ان یرجعل قوماً کالذی کانوانی

ہمیں امید ہے کہ مولف تجلیات یا ان کے ہمدرد حضرات ہمیں اس پر مجبور نہ کریں گے کہ ہم آئندہ حماسہ کے ان شعروں پر عمل کریں جس میں وہ کہہ گیا ہے ؎

فلما مرح الشروامسیٰ وهو عریان ولم یبقی سوالعدوان دنا هم کعادنون

ہم شرّ و فساد سے الگ رہنا بقدر امکان ضروری سمجھتے ہیں۔ اس لئے مولّفِ تجلیات سے ہماری التماس ہے کہ وہ اپنی تالیف کے واسطے ہمارے اس رسالہ کو ضمیمہ کی حیثیت سے قبول فرمائیں اور ہم کو مزید تکملہ تجلیات لکھنے پر مجبور نہ کریں۔ والاّ

تو دانی که مارا سر جنگ نیست وگر نه مجال سخن تنگ نیست

و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ الذی فضلنا علی کثیر من العالمین

۞۞۞

دبستان خاندان اجتہاد پر تحقیقی کام جاری

ڈاکٹر عارف عباس صاحب دبستان خاندان اجتہاد کے مرثیہ نگاروں پر تحقیقی کام کر رہے ہیں جن حضرات کے پاس خاندان اجتہاد کے شعراء کے مرثیے یا ان سے متعلق معلومات ہوں انھیں دیئے ہوئے پتوں پر بھیجنے کی زحمت گوارا فرمائیں:

(1) Dr. Arif Abbas
C/o Ayatullah M. S. Baqir Naqvi
6, Banjari Tola, Victoria Street
Lucknow-3 (e-mail: dr.arifabbas@yahoo.com)
(2) Dr. Arif Abbas
Safina Apartment Napier Road-II
Muftiganj, Husainabad, Lucknow-3
(e-mail: noorehidayat@gmail.com)
(3) Dr. Arif AbbasP.O. Box-25, Muzaffarpur, Bihar